عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماهنامه

غزالی

شعبان ۱۴۲۶ھ/ستمبر 2005ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم
بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)
مدیر مسئول: ثاقب علی خان
مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ،
بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

Reg No: P 476

جلد چہارم : شمارہ :1

فہرست

فی شمارہ : =/15روپے

سالانہ بدل اشتراک : =/180روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای میل: saqipak99@gmail.com

saqi_pak99@yahoo.com

zef_pk@yahoo.com

﴿روزہ﴾

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: ''مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی، سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔''

صوم کی تعریف: ''صَوم'' روزہ کو کہتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا ہوں۔ یہ کیوں فرمایا کہ **الصوم لي!** ...... اس لئے فرمایا کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندے کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس پڑتا ہے ...... اللہ تعالیٰ کا کام ہے کھلانا اور وہ خود نہیں کھاتے۔ روزہ میں بندہ بھی کھاتا پیتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں، بندہ بھی روزہ کی حالت میں بیوی کے پاس نہیں جاتا۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور مشابہت کی بناء پر مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ بندہ کی تسکین اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُس بندے سے راضی ہوتے ہیں جو کھانا پینا اور بیوی کے پاس جانا خداوند تعالیٰ کے حکم سے چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کے رنگ پر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیں گے۔ سب سے بڑی جزا یہ ہے کہ معطی خود اپنے آپ کو پیش کردے کہ مجھے لے لے۔ جب ربّ مل جائے تو پھر کیا چاہیے!

بقول اکبر الہ آبادی:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

دوسری بات یہ ہے کہ روزہ حقیقتاً سِری (چھپی ہوئی) عبادت ہے۔ جیسے وضو کہ وہ بھی

سِری عبادت ہے اور اس میں رِیاء نہیں ہوتی ۔اس معنی میں روزہ بھی ایک ایسی عبادت ہے کہ بے ریاء ہے۔ روزہ کا بھی حقیقتاً کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ فلاں کا روزہ ہے یا نہیں۔ کمال والے روزہ کو چھوڑ یئے، ادنیٰ درجہ کے روزہ کا پتہ نہیں لگتا (چھپ کر کھا، پی سکتا ہے)۔

روزہ میں جتنا اخلاص ہوتا ہے کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔اس بناء پر کہ اس کا اخلاص انتہائی چُھپا ہوا ہوتا ہے۔ خدا کیلئے انسان منہ کو بند کرتا ہے، اپنی خواہش کو روکتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ یہ بندہ یہ سب کچھ میرے لئے کرتا ہے کہ میں اس کو مل جاؤں۔ روزہ میں انسان کی سفلی خواہشات دَبتی ہیں، فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت پیدا ہوتی ہے اور انسان میں فرشتوں والی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ روزہ کی حالت میں انسان ان چاہتوں کو جو انسان کو گُناہ میں مبتلا کر دیتی ہیں قابو کر لیتا ہے۔

روزہ سے انسان کے اندر ملأ اعلیٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔اور جب مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ''کند ہم جنس باہم جنس پرواز'' جس سے انسان میں فرشتوں والی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ شیاطین روزے میں بند کر دیئے جاتے ہیں، جب شیاطین کا اثر کم اور فرشتوں کے اثرات زیادہ ہو جاتے ہیں تو اعمال اور قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور طبعیت نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔فرشتوں کے ساتھ ہونے کے نتیجہ میں اور فرشتوں کی نورانیت کے اثرات کی وجہ سے انسان اعمال کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ نیکی والے کو خدا پسند کرتا ہے اور روزہ کا حاصل ہے اپنے اندر تقویٰ کا کمال پیدا کرنا۔ جتنا تقویٰ کا کمال پیدا ہوگا اُتنا خدا کی قربت اور رَضا میسر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنی رضا اور تقویٰ کے حصول کے لئے مشروع کیا ہے۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۳)

ترجمہ: ''ہم نے تم پر روزہ فرض کیا جیسے پہلی اُمتوں پر فرض کیا تھا کہ تم گنتی کے چند دنوں

میں متقی بن جاؤ‘‘۔

تقویٰ اللہ تعالیٰ کی پاسداری، لحاظ، محبت، ڈر اور خوف کی وجہ سے ہر گُناہ اور بُرائی کو چھوڑ دینے اور نیکی کے اختیار کر لینے کا نام ہے۔ اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ظاہراً اور باطناً چھوڑ دینا تقویٰ ہے۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ط (الانعام:۱۲۰)

ترجمہ: ’’اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔‘‘

یعنی گُناہ کے رگ و ریشہ کو چھوڑ دینا تقویٰ ہے۔ رمضان میں کیا ہوتا ہے؟ روزہ میں اللہ تعالیٰ معیارِ تقویٰ کو اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرے پیارو (مؤمن اللہ کے پیارے اور محبوب ہیں)۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ۔۱۶۵)

ترجمہ: ’’وہ لوگ جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔‘‘

اے میرے سب سے زیادہ چاہنے والو! حرام کو تو تم چھوڑ ہی دیتے ہو رمضان میں حلال بھی میرے لئے چھوڑ دو۔ روزہ میں انسان شہد اور آبِ زمزم بھی نہیں پی سکتا۔

رمضان میں اللہ تعالیٰ حلال چھڑواتے ہیں اور حدود اللہ حلال پر آجاتی ہے۔ تو جب اللہ کے پیارے بندے رمضان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حلال کو چھوڑ دیتے ہیں تو کیا غیر رمضان میں اللہ کی خوشنودی کیلئے حرام اور مکروہ کو نہیں چھوڑ دینگے؟ افطاری میں کیا ہوتا ہے! ...... کان اور نگاہ اَذان کی آواز کے انتظار میں ہوتے ہیں ...... اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جب اللہ کہتے کہ اب کھاؤ پیو تو اب دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ افطاری میں جلدی اور سحری میں دیر مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت اس وقت تک خیر پر رہے گی جب تک روزہ کے افطار کرنے میں ستاروں کے نکلنے کا انتظار نہیں کرے گی۔ محبّ جو ہوتا ہے وہ ملاقات کے وقت ایک لمحہ کا بھی انتظار گوارا نہیں کیا کرتا۔

بقول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ؎

ہر تمنا دل سے رُخصت ہوگئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

چھوٹے افطار کی بڑے افطار یعنی موت کے وقت کے ساتھ بھی مشابہت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(للصائم فرحتان فرحة عند الافطار ور فرحة عند لقاء الرحمن)

روزہ دار کیلئے دو فرحتیں ہیں، ایک خوشی اور فرحت وہ ہے کہ جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور ایک فرحت وہ ہے کہ جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے شربتِ دِیدار سے زندگی کا روزہ افطار کرے گا۔ جب محبوب سامنے آ جائے تو کوئی ایک منٹ بھی انتظار نہیں کرسکتا۔ افطاری میں بھی دیر کرنا مناسب نہیں، کیونکہ خدا کا حکم ہے کہ جب افطار کا وقت آ گیا تو افطار کرلو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے احکام کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔

بعض جگہوں میں ایسا ہوتا ہے کہ افطاری میں ابھی ایک کھجور بھی نہیں کھائی اور بس نماز کیلئے کھڑے ہوگئے، یہ مناسب نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ افطار کے وقت اضطرار کی کیفیت ہوتی ہے اور اضطرار کی کیفیت میں نماز میں دلجمعی نہیں ہوتی کہ بس افطار میں جلدی سے منہ میں تنکا ڈالو اور نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو نماز اتنی جلدی پڑھانا مقصود ہوتی تو پہلے نماز کا حکم دیدیتے اور پھر نماز کے بعد افطاری کا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ افطاری میں ۵-۱۰ منٹ لگ گئے تو نماز خراب ہو جائے گی حالانکہ اس سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ اسی طرح سحری میں دیر کرنا مناسب ہے۔ لوگ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اَذان پر سحری بند کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ کی اَذان پر سحری بند کیا کرو۔

ہم کو روزہ میں یہ مشق ہو جائے کہ جس وقت کھانے کا حکم ہو تو ہم کھالیں اور جس وقت

(بقیہ صفحہ:۳۲)

﴿اصلاحی مجلس﴾

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ:

دو باتیں اہم ذہن میں آئیں ، ایک تو ہمارا جو باڑہ گلی کا تصوف کا سیمینار تھا اس کی (Inauguration) کی (speech) جو ایک میں نے کی اور ایک چیف گیسٹ نے کی، ایک یہ بات اس پر بحث کرنی ہے اور ایک جو اخبارات میں تنگدستی کے ہاتھوں خودکشیوں کے تذکرے آتے ہیں کہ تنگدستی کے ہاتھوں سارے خاندان نے خودکشی کر لی یا ایک مرد نے سب گھر والوں کو مار کر خودکشی کر لی، ایک اس پر بات کرنی ہے۔

وہاں پر انھوں نے جو افتتاحی تقریب میں تقریر کی اس میں انھوں نے کہا کہ ایک پرانا علم ہے جو کہ دِین کی شکل میں ہے اور نیا علم جو ہے وہ فلسفہ کی شکل میں اور ایک سائنس کی شکل میں ہے اور ایک تفریحی علم ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ چار ہزار عراق میں بیٹھے ہوئے ہیں اور چار ہزار افغانستان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سارے ملک کو انھوں نے کنٹرول کیا ہوا ہے۔ لہٰذا آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ پرانے علم کے ذریعے آپ کیا حاصل کر سکیں گے جب تک آپ کے پاس سائنس، ٹیکنالوجی وغیرہ نہ ہوں۔ ہم بھی جدید دُنیا میں رہنے والے لوگ ہیں تو طبیعت ذرا اس سے متاثر اور خفا ہوئی۔ ایک دِینی ماحول کی شخصیت بیان کرنے کے لیے تشریف لائی یعنی حضرت مولانا ارشد الحسینی صاحب جن سے میں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فوراً کہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، آپ کو کس نے کہا کہ چار ہزار عراق میں اور چار ہزار افغانستان میں، عراق میں ڈیڑھ لاکھ فوج ہے اور ستر ہزار افغانستان میں ہے پھر فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب اسلحے سے کہاں کیا ہے، تفرقے سے کیا ہے۔ میں نے کہا دیکھیں اب صحیح دِینی ماحول کے آدمی نے دو جملوں میں اس کا جواب دے دیا۔ پہلے تو یہ کہا کہ آپ کے بیان کرنے والے کی اخباری معلومات ہی غلط ہیں کہ وہ چار چار ہزار کہہ رہا ہے حالانکہ ڈیڑھ لاکھ ایک جگہ پر ہے اور ستر ہزار دوسری جگہ پر ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ جو اسلحے سے کہہ رہا ہے وہ اسلحے سے کہاں ہوا ہے وہ تو تفرقے سے ہوا ہے۔ پہلے تقسیم کر کے تفرقہ ڈالا گیا ہے۔

جس وقت طالبان پر حملہ ہو رہا تھا تو پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے تجربے سے اور سن پینسٹھ اور اکہتر کی جنگوں کے تجربے سے، اور بدر و حنین کے معرکوں اور تبوک اور خندق کے غزوات کا جو تجربہ ہمارے سامنے گزرا ہوا ہے اور اس کا مطالعہ ہے ہمارا اس کو سامنے رکھتے ہوئے اور B-52 کی بمباری کو، ڈیزی کٹر بم کو سب چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم پھر بھی اس تسلی میں تھے کہ آخر میں (Take Over) کرنے کے لیے اور جگہ کو لینے کے لیے زمین پر اُتر کر دَست بدَست جنگ کرنی ہوتی ہے، اس کے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوا کرتا۔ تو عالمی عسکری تجربے سے جو میرے مطالعے میں ہے ہمیں اس بات کا اندازہ تھا کہ جب بالکل آخر میں بات آئے گی دَست بدَست جنگ کی تو اس میں امریکی اور مغربی فوجی ٹھہر نہیں سکیں گے۔ تو آپ جواب دیں کہ آخری دَست بدَست جنگ کا معرکہ انھوں نے کیسے سَر کیا ہے؟ شمالی اتحاد کی مدد سے۔ پھر تو اسلحے سے نہ ہوا تفرقے سے ہوا۔ دو باتوں میں صحیح ماحول کے آدمی نے اسلحے اور تفرقے کو سامنے کر کے امریکہ کی یونیورسٹیوں میں جان کھائے ہوئے پی۔ ایچ۔ ڈی کو اس مولوی نے اُلٹا کر کے رکھ دیا میرے سامنے، اور میں اس کے تجربے اور علم پر عش عش کرنے لگا اور میں نے کہا آفرین ہے تیرے اس باپ اور خاندان پر جس نے تجھے ایسی تربیت سے نکالا ہے۔ اور تم اس آدمی کے کہنے پر جو کہ اسلحے کی طرف متوجہ کر کے ہماری اصلی بنیاد سے ہمیں ہٹا رہا ہے۔

اسلحے اور ترقی کے جمع کرنے کے ہم انکاری نہیں ہیں سورۂ توبہ کی آیت **اعدو لھم ما استطعتم** کے ضمن میں ہمیں اس کے بارے میں حکم دیا ہوا ہے، لیکن دِینی علم، دِینی اعمال اور دِینی صفات کی عظمت، اہمیت اور ضرورت کو رَد کر کے صرف سائنس اور ٹیکنالوجی اور اسلحہ و دِیگر مادی اسباب پر آ جانا یہ کامیابی کا راز نہیں ہے۔ ہمارا اصلی سرمایہ وہ صفات ہیں جو کہ توحید و توکل کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذُوالجلال کے ساتھ تعلق ہے۔ اور محبت اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ہے۔ اور آخرت میں جنت کی رعنائیاں اور دوزخ کی ہولناکیاں اور اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر جواب دینا (Accountability) یہ ہمارا سرمایہ ہے۔ اور ان کے ہوتے ہوئے باقی چیزوں میں حتی المقدور جتنا بس ہے اس میں پوری کوشش کرنی ہے اس میں کمی نہیں چھوڑنی۔ اور جہاں بس نہ رہے اور بات ہمارے بس سے باہر ہو جائے اس جگہ پھر

گڑگڑا کر اللہ کے حضور پکارنا ہے۔ تو صفت توحید، صفت توکل اور وابستگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باکمال کے ساتھ، جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر جوابدہی اور (Accountability) یہ ہمارا سرمایہ ہے۔ جس کی ہمارے ایک مزدور کسان سے لے کر فرمانروائے وقت تک سب کو ضرورت ہے۔ بڑا افسوس ہے ان دُنیا داروں پر، اصلی حقیقی سرمایہ جو ہے اس کی طرف رُجوع نہیں کر رہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ
اُن کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمیعت تری

مشرق و مغرب کے فلسفے کو کھنگالا ہوا آدمی علامہ اقبال اس بات کو کہہ رہا ہے۔

اور دوسری بات یہ جو اخبارات میں آجاتی ہے کہ تنگدستی اور غربت کے ہاتھوں لوگوں نے خودکشیاں کیں، اس موقع پر میں کہا کرتا ہوں کہ یہ بے دِینی کے ہاتھوں ہیں یہ غربت اور تنگدستی کے ہاتھوں نہیں ہیں۔ سردیوں کا مہینہ رات کے نو بجے، سات بجے عشاء کی نمازیں ہو جاتی ہیں، نو بجے ہماری طرح آدمی سو جاتے ہیں۔ نو بجے ایک پلوسی کا مزدور آیا اس نے دروازے پر دستک دی، میں نکلا کہ یا اللہ پلوسی سے تو کوئی رات کو نو بجے نہیں آتا ہے خطرہ ہوتا ہے، امن و امان ہے نہیں اِلّا ماشاء اللہ۔ وہ آکر بیٹھ گیا، میں نے کہا کیا حال ہے خیریت ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ آدمی یا تو کوئی خدمت بتائے یا اُٹھ کر جائے کہ دیر ہے کچھ آرام کریں سارا دن بھاگتے دوڑتے گزرتا ہے۔ بس اُٹھ نہیں رہا کچھ بول بھی نہیں رہا۔ مجھے فوراً دل میں یہ خیال وارد ہوا کہ اس آدمی کے گھر میں فاقہ ہے، میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تیس روپے اس کو نکال کر دیے اس زمانے میں ڈھائی روپے کی روٹی ہوتی تھی، اُسنے مجھ سے دوسری بات ہی نہیں کی، سائیکل پر پاؤں رکھا اور بھاگا۔ تین دن بعد آیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب اس رات میں آیا تھا کچھ بولے بغیر اس لیے بھاگا تھا کہ نو بج گئے تھے، خطرہ تھا کہ تندور بند نہ ہو جائیں کیونکہ میرے بچے بھوکے تھے اور میں نے فی آدمی ایک ایک روٹی ان کو پہنچانی تھی، میں گیا اور مجھے روٹیاں مل گئیں، اس وجہ سے میں رُکا نہیں تھا۔ نیک آدمی تھا پابند صوم وصلوۃ،

با شرع، تبلیغی جماعتوں میں آنے جانے والا تھا۔ اس نے کہا میں مزدُور ہوں میری صحت ایسی ہے کہ میں پانچ دن کام کرسکتا ہوں مسلسل سات دن نہیں کرسکتا پورا ہفتہ کرلوں تو بیمار ہو جاتا ہوں پھر ایک دو دن بیماری میں گزر جاتے ہیں پھر کام پر آتا ہوں۔ اس طرح سے جب بیماری وغیرہ آجائے تو گھر پر فاقہ ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھیں جب آپ پر ایسا حال ہو جایا کرے تو آپ ضرور مجھے بتایا کریں گے اگر نہ بتایا تو پھر آپ کی ذمہ داری ہوگی۔ میرے پاس کچھ ہوتا نہیں ہے لیکن کسی نہ کسی کو کہہ کر مسئلہ حل کرا دیتا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے جی۔ ایسے اس سے میں نے پوچھا۔ میرا خیال ہوا کہ اس کے گھر میں تو اتنی سخت لڑائی اس کی گھر والی کی ہوتی ہوگی کہ اس کا گوشت نوچتی ہوگی کیونکہ یہاں پروفیسر صاحبان کے گھروں میں کھاتے پیتے آسودہ حالات ہیں لیکن ایسی تلخیاں ہیں کہ ایک دوسرے کی گردن تو نہیں دباتے باقی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرے سامنے شکایتیں آتی ہیں اور فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اس مزدُور سے میں نے کہا کہ تیرے گھر میں تو بہت سخت تلخ حالات ہوں گے اور بہت لڑائی جھگڑا ہوتا ہوگا۔ اس نے کہا ڈاکٹر صاحب میرے گھر میں بالکل لڑائی جھگڑا نہیں ہے اور حالات بالکل تلخ نہیں ہیں۔ جب ایسے حالات ہو جاتے ہیں تو گھر والی کہتی ہے کہ آپ فکر نہ کریں آپ صبر کریں، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ حالات کو بدل دے گا۔ سبحان اللہ معنوی نعمت اور رُوحانی نعمت، سکون اور آسودگی کی تجھے گھر میں حاصل ہے، جو کہ بنگلے میں بیٹھا ہوا اور موٹر میں پھرتا ہوا، تین تین لاکھ کے ٹھیکرے کانوں اور ہاتھوں میں بیوی کے لٹکائے ہوئے، ٹھیکرے کیا؟ زیورات، اور دو دو تین تین قسم کے کھانے بنے ہوئے اور فریج میووں سے بھرا ہوا، لیکن اتنے تلخ حالات ہیں کہ ایک اِدھر منہ اُٹھائے ہوئے جا رہا ہے اور ایک اُدھر منہ اُٹھائے ہوئے جا رہا ہے۔ ایک تو یہ عجیب بات سامنے اس کی دِینداری کی آئی۔

پھر میں گیا آیا وہاں پلوسی کی طرف اس کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے، تو ایک دن آیا میں نے کہا کہ آپ کے مسئلے کا حل میں نے ڈھونڈ لیا، آپ کے بچوں کو تو میں دِینی مدرسے میں داخل کراتا ہوں جہاں کھانا پینا کپڑے سب مفت ہوں گے، تعلیم بھی دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ بسم اللہ۔ پھر میں نے کہا کہ آپ کے پلوسی کے خُوڑ (ندی) کو میں نے دیکھا اس کے دونوں طرف بڑی ہری بھری گھاس ہے، کوئی بکریاں اس میں نہیں چر رہی تھیں۔ تو آپ خود کرسکتے ہیں یا مجھ سے کہیں کہ آپ

کو ایک جوڑا بکریوں کا خرید کر دے دیں اس کو آپ پھرایا کریں، وہ گھاس وغیرہ چر کر آپ کے لیے دودھ کا سامان کر دیں گی اور کچھ تعداد زیادہ ہو جائے تو بیچ کر آپ کے لیے کچھ رقم کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اس نے کہا اچھا جی۔ سبحان اللہ پھر اس کے بچے کو ذرا بہتر مدرسے میں داخل کیا جہاں معیار ذرا اچھا ہو اور کچھ نہ کچھ وہ خرچہ بھی مانگتے ہیں۔ سال بعد خرچہ ہمارے ساتھی پورا کر لیتے ہیں۔ اب یہ کوئی چار پانچ سال ہو گئے اس میں وہ آدمی پھر فقط اپنے بیٹے کے خرچے کی اطلاع دینے کے لیے آیا ہے، باقی فاقہ پیسے وغیرہ مانگنے کے لیے نہیں آیا۔ بے دِینی، بے نمازی، غیبت اور بہتان، جھوٹ اور فریب اور لایعنی اور فضولیات یہ چیزیں ہیں جو سکون کو برباد کرتی ہیں۔

میں یہاں کا زکوٰۃ کا چیئر مین ہوا کرتا تھا، مفتی رشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ تو بڑا سخت ہے کہ جس کے گھر میں ٹیلی وژن ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے، وہ پہلے اس کو بیچ کر اپنی ضرورتوں کو پورا کرے۔ زکوٰۃ لینے والے تنگدست لوگ آتے تھے جھونپڑوں میں رہتے ہوئے ٹیلی وژن ان کے گھر میں ہوتا تھا۔ پھر مفتی صاحب کے فتوے پر غور کیا، فتویٰ تو ان کا بڑا مبارک ہے بڑا ٹھیک ہے۔ ہم کیا کریں آگے اگلا ایک علم ہے کشتی توڑنے کا خضر علیہ السلام والا اس کے تحت ہم نے کہا کہ ان خواروں کو دو، بچے ان کے چھوٹے بھوکے مر رہے ہیں، بھوک ان پر آتی ہے، تنگدستی ان پر ہوتی ہے، پھٹے پرانے کپڑے لٹکائے ہوئے عورتیں آتی ہیں، معلومات کریں تو ٹیلی وژن رکھا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی پر فاقہ آجائے اور تین دن تک اسے کسی کے آگے بیان نہ کرے اور برداشت کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک سال کی حلال روزی کا بندوبست فرما دیتے ہیں۔

مصر میں قبرستان والی مسجد میں چار طلباء رہ رہے تھے اور دِینی علم حاصل کر رہے تھے، اُس وقت مدرسے تو ہوتے نہیں تھے ایک ایک کتاب ایک ایک اُستاد پڑھایا کرتا تھا تو یہ چاروں اپنا خرچ اخراجات لے کر آ کر اُستاد صاحب کے پاس داخل ہوئے، پڑھنے لگے۔ اُستاد صاحب بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے، انھوں نے وقت اتنا لے لیا کہ ان کا خرچہ ختم ہو گیا، ایک دن فاقہ گزرا، دوسرے دن فاقہ گزرا، تیسرے دن فاقہ گزرا۔ تو انھوں نے کہا کہ بھائی اب تو تین دن فاقہ ہو گیا ہے۔ اب سوال کرنا جائز ہو گیا ہے، سوال کریں۔ اب سارے غیرت ایمانی والے طلباء، ایک کہتا ہے تُو سوال کر تُو سوال کر، چاروں میں سے کوئی تیار نہ ہوا۔ انھوں نے کہا کہ قرعہ ڈالو۔ قرعہ ڈالا تو

ایک طالبعلم کا نام نکلا غالباً سفیان ثوریؒ کا نام نکلا کہ یہ جا کر سوال کرے۔ جب نام نکلا تو انھوں نے سوچا کہ اب سوال کرنا جائز ہے۔ میں کیا جا کر لوگوں کے آگے دھکے کھاؤں گا خوار ہوں گا۔ اُٹھے اور رات کو انھوں نے وضو کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر اللہ کے حضور گڑگڑائے، یا اللہ ہم تیرے راستے کے مسافر ہیں، ہمارے اخراجات ختم ہیں، یا اللہ تو ہمارا بندوبست فرما۔ بادشاہ وقت نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اُترا، اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اس نے اُترتے ہی آ کر اس کے پہلو میں پسلی پر کچوکا دیا نیزے کا اور کہا اُٹھ قبرستان والوں کی مدد کر۔ بادشاہ گھبرا کر اُٹھا، خواب تھا گردو پیش میں کچھ بھی نہیں تھا سو گیا کہ بس ایک خواب تھا۔ اب یہ اللہ کے حضور گڑگڑا رہے ہیں۔ دوبارہ بادشاہ نے خواب دیکھا کہ پھر وہی فرشتہ آ رہا ہے اور اس نے آ کر کچوکا دیا پہلو میں، اُٹھ قبرستان والوں کی مدد کر۔ یہ پھر جاگا اور سوچا کہ خواب ہے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تیسری بار پھر یہ سویا تو فرشتہ اُترا اس نے کچوکا مارا تو یہ اُٹھا تو اس نے دیکھا کہ وہاں پر زخم ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ تو عام بات نہیں ہے، وزیر کو بلایا اسے کہا کہ ایسی صورتحال ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے قبرستان میں مسجد ہے میں جاتا ہوں دیکھتا ہوں۔ تو وزیر آیا اس نے دیکھا کہ قبرستان کی مسجد میں چار آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت نے یہ پیسے آپ کے لیے بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ ان سے آپ اپنی ضرورت پوری کریں اور کل بادشاہ سلامت آپ کی ملاقات کے لیے خود حاضر ہوگا۔ پیسے انھوں نے لیے اور آپس میں مشورہ کیا کہ اگر بادشاہ سلامت ملاقات کے لیے آ گیا تو اس کے بعد ہم پیر بزرگ مشہور ہو جائیں گے، اور ہم تو یہاں اللہ کے دِین کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ علم ہم سے رہ جائے گا۔ ہمیں اس آزمائش سے بچنا چاہئے، وہ وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔ بادشاہ جب آیا تو یہ موجود نہیں تھے۔ پھر بادشاہ نے ان کی یاد میں اس قبرستان کی مسجد کے پاس ایک مدرسہ بنایا، وہ مدرسہ جامعہ ازہر ہے۔ جو ان بزرگوں کی کرامت سے وجود میں آیا۔ ہم ساری عمر جامعہ ازہر کے بڑے خلاف رہے ہیں۔ کوسوو سے حبیب اللہ صاحب (سابق ڈی سی پشاور) واپس آئے تو انہوں نے ایک عجیب بات مجھ سے کہی کہ ڈاکٹر صاحب کوسوو میں ایسے حالات ہیں کہ وہاں دِین کا خاتمہ کر رہے ہیں کہ یہ جتنا جلدی ختم ہوگا اتنا جلدی ہمارا مسئلہ حل ہوگا۔ وہاں کوئی دِینی آدمی آ کر دِین کی بات نہیں کر سکتا، ہاں اتنا ہے کہ انھوں نے مصر کے جو فارغ التحصیل علماء ہیں داڑھی منڈے، سوٹڈ

بوٹڈ ٹائی لگائے ہوئے ان کو انھوں نے چھوڑا ہوا ہے کہ دِینی سرمن مکمل کرنے کے لیے جمعہ پڑھا دیا کریں۔اس نے کہا ڈاکٹر صاحب ان کی موجودگی کا بھی ایک فائدہ ہو رہا ہے کہ لوگوں کا عقیدہ بچا ہوا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ چیز جسے ہم بالکل غیر معیاری سمجھ کر اس کی طرف نگاہ بھی نہیں اُٹھاتے اس کا بھی کچھ فائدہ ہے۔

تو یہ بات کہہ رہے تھے کہ بے دِینی کی وجہ سے سب کچھ ہو رہا ہے، دینداری عوام میں نہیں ہے لہٰذا یہ اپنے مسائل کے حل کرنے کی دِینی ترتیب کے پاس نہیں جاتے۔اس لیے مسائل میں اُلجھتے ہیں۔اور پھر میڈیا ہے وہ ہر مرد کے سامنے خوبصورت سے خوبصورت عورت کی تصویر لا رہا ہے اور اس کو فرَسٹریٹ (احساس محرومی کا شکار) کر رہا ہے اور ہر عورت کے سامنے خوبصورت سے خوبصورت مرد کی تصویر لا رہا ہے اور اس کو فرَسٹریٹ کر رہا ہے۔اور اتنے اُونچے معیار زندگی کو دکھایا جاتا ہے کہ وہ ہر ایک آدمی کو فرَسٹریٹ کر رہا ہے۔

دو باتیں آپ کو عجیب سناؤں جو میرے تجربے سے گزریں، یہ معاشرے کے ناسور ہیں۔ ایک ڈاکٹر صاحب آیا اس نے کہا جی شادی ہوگئی ہے اور گھر والی بالکل نباہ نہیں کر رہی ہے۔اس کو مختلف ترتیبیں میں نے سمجھائیں، اندازہ ہوا کہ کوئی نبھنے کے حالات نہیں ہیں۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ خفا نہ ہوں اور میری اس بات کا برا نہ منائیں، آپ کی گھر والی کے کہیں تعلقات ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ ہمارا بڑا روایتی ماحول ہے۔ میں نے کہا مرضی ہے آپ کی بہر حال اس پہلو پر آپ غور کریں۔ایک دن وہ آیا اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اس کی ڈائری مجھے ملی ہے اس میں میں نے دیکھا کہ ایک نوعمر امریکی ایکٹر کی تصویر ہے اس کے نیچے اس نے لکھا ہوا تھا: In Heaven, I have been married to you. (عالم بالا میں میری آپ کے ساتھ شادی ہوگئی ہے۔) میڈیا کے ہاتھوں تصویر کی عاشق ہو کر اس کے ساتھ شادی رچائے بیٹھی ہے جس تک پہنچ بھی نہیں سکے گی اور خاوند سے بیزار ہو رہی ہے۔ میں نے کہا چلیں نہیں نبھ رہا، سال دو سال کا عرصہ آپ نے کر لیا اب آپ فراغت حاصل کریں اور Let her suffer. (اُسے خوار ہونے دیں) پانچ دس سال بعد جب پیچھے مڑ کر دیکھے گی تو ٹرین جا چکی ہوگی اور ویرانہ ہی ویرانہ ہوگا۔

ایک جگہ سے ایک ڈاکٹر صاحب آیا باتیں کرنے لگا دو چار باتوں کے بعد اس کا حلق رُندھا، بات اس کی اٹکی اور الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ اس نے کہا دیکھیں جی! میں سپشلسٹ ڈاکٹر ہوں میں نے اپنے خاندان میں سے شادی کی، بیوی بھی لیڈی ڈاکٹر تھی۔ پانچ چھ سال گزرے اب بالکل نافرمان ہے، میں کہتا ہوں مشرق تو مغرب کو چلی جاتی ہے، میں اس کو کہتا ہوں الف تو وہ نون پر آجاتی ہے۔ اب پارٹ ٹو (ایف سی پی ایس) کر کے میں کہتا ہوں میرے ہسپتال میں رہو جہاں میں ہوں وہ اس کو چھوڑ کر دُور دراز چلی گئی۔ اس نے کہا صوم وصلاۃ کی پابند ہے تلاوت کرنے والی ہے، دِیندار عورت ہے۔ میں اس پر مراقب ہوا اور غور کیا اور کہا کہ آپ کے خاندان میں عورتوں میں نفسیاتی بیماریاں تو نہیں ہیں اس نے کہا ان کے خاندان میں (Mania) ہے۔

Mania ایک بیماری ہے شدت پسندی، آدمی کے انتہائی شدت کے جذبات ہوتے ہیں۔ میں نے کہا آپ کے بچے کتنے ہیں؟ اس نے کہا بچے تو ہمارے نہیں ہیں۔ میں نے کہا بچے کیوں نہیں ہوئے؟ اس نے کہا کہ جب شادی ہوئی تو یہ پڑھ رہی تھی تو تین سال پڑھائی کے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا ہے، ایک سال ہاؤس جاب کا کیا ہے، پھر اس کو ایف۔سی۔پی۔ایس کا شوق ہوا۔ چھ سال ہم نے اولاد نہ پیدا کرنے کی ترتیب کو اختیار کیا ہے۔ او ہو میں نے کہا ٹھیک ہے۔ مسئلہ بھی میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مسئلہ کیا ہے اور مسئلے کا حل کیا ہے۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آپ کو سنا دیں قول **لزوم مھر سرور شھرھموم دھر ثم انقض ظھر** (یعنی شادی کیا ہے؟ مہر کا لازم ہونا، ایک مہینے کا لطف، پھر سارے زمانے کے غم اور اُسکے بعد کمر کا ٹوٹ جانا) تو سرُور وغیرہ تو تھوڑے وقت کا ہوتا ہے جو ہارمونل جوش ہوتا ہے وہ تو ختم ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بلا چاں چاں کرتی ہے اور ہنگامہ اور شور کرتی ہے تو نہ اس کے ہونٹوں کی سُرخی کا آدمی کو پتہ ہوتا ہے اور نہ گالوں کی سفیدی کا پتہ ہوتا ہے اور نہ اس کی خوشبو کا پتہ ہوتا ہے، وہ ساری چیزیں اس بد اخلاقی بدزبانی میں گم ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا برخوردار! شروع کے مہینہ دو مہینے تین مہینے لطف کے نتیجے میں پھر ایک مزید بانڈ بنتا ہے خاوند بیوی کے درمیان، ایک دوسرا بانڈ وجود میں آتا ہے، سیکس کے جذبے کے تحت جسے اولاد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیٹے اور بیٹی کی شکل میں پھول، غنچے اور گلدستے دیتا ہے کہ ایسا دل لگا ہوتا ہے ان کے ساتھ کہ پوچھیۓ نہیں۔

ایک بڑے مالدار خاندان میں خاوند بیوی کی لڑائی ہوئی۔ ساس، بیٹی، داماد اور سارے بچے ہمارے گھر آ گئے۔ یہاں آ کر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہوتے ہیں ہمارے گھر پر قبضہ ہوتا ہے۔ میں آیا۔ چھوٹا بچہ ساس نے اُٹھایا ہوا ہے اور خاوند بیوی منہ اِدھر اُدھر کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، مارشل لاء کا اعلان انھوں نے کیا ہوا ہے۔ خیر ایک کی میں نے سنی دوسرے کی سنی، ایک کو سنائیں دوسرے کو سنائیں اتنے میں بچہ رویا خاوند کو میں نے کہا Look this child is having a question. (یہ بچہ ایک سوال کر رہا ہے) اس کی ماں بھی رو رہی تھی بچہ بھی رویا، میں نے کہا اس بچے کے پاس ایک سوال ہے خان صاحب! یہ کہہ رہا ہے میری ماں کیوں رو رہی ہے؟ جب یہ میں نے بات کی تو خان صاحب کا سر جھک گیا ساری تلخی اور مارشل لاء اس کا ختم ہو گیا طبیعت اس کی نرم ہو گئی۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب وہ یہ بانڈ ہوتا ہے، وہ بانڈ آپ نے نہیں لیا۔ چھ سال آپ نے سیکس کی ترتیب کو محض ضائع کر لیا لہذا اب تو آپ کے درمیان کشش کا کوئی بانڈ اولاد کی شکل میں ہے ہی نہیں۔ This is the wisdom of the Quran and the Hadith. (یہ قرآن وحدیث کی حکمت اور دانش وری ہے) Wisdom of supreme court نہیں ہے۔ The wisdom is not lying in your supreme court.The wisdom lies over here in these simple discussions and simple words. یہ حکمت سپریم کورٹ میں آپ کو نہیں ملے گی، یہ یہاں کے سادہ الفاظ اور سادہ بحثوں میں آپ کو ملے گی۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

★★★★★

خوفناک منظر: اس وقت میں ایک خوفناک منظر دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تحریریں تو کفر آمیز شائع ہوتی ہیں اور اہلِ یورپ کی تحریریں اسلام کی مدح میں شائع ہو رہی ہیں، گویا بعضے مسلمان تو کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور بعض کفار اسلام کی طرف۔

اس حالت کو دیکھ کر سخت اندیشہ ہے کہ جب یہ دونوں جماعتیں سرحد کو پہنچ چکیں گی، تو ایسا نہ ہو کہ وہ تو کفر سے نکل کر مسلمان ہو جائیں اور یہ اسلام سے نکل کر کافر ہو جائیں۔ (فرمانِ حکیم الامتؒ، ۱۳۴۴ھ)

﴿اہلِ سنت والجماعت﴾ (قسط:۶)

(حضرت علامہ سیّد سلیمان ندویؒ)

شب آخر گشته وافسانه از افسانه می خیزد

کل کی نشست میں ہم نے بتایا تھا کہ قدمائے اہل السنّت کے یہ دو اُصول تھے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقائد واعمال کے متعلق اپنی اُمت کو جو کچھ تعلیم و تلقین فرما گئے ہیں اس پر ایک ذرّہ کا اضافہ یا اس سے ایک ذرّہ کی کمی نہیں ہوسکتی۔

(۲) خدا کی ذات وصفات ودیگر عقائد کے متعلق قرآن نے جو بیان کیا ہے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر جو کچھ ثابت ہے، اور ان کی نسبت اجمالاً یا تفصیلاً جو کچھ اور جس حد تک انہوں نے تفسیر وتشریح کی ہے اسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل وقیاس اور استنباط سے ان کی تفسیر وتشریح کرنا صحیح نہیں، اور نہ اُس پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہوسکتا ہے۔

یہ دو اُصول ایسے ہیں جن کے اثبات کے لیے کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ جیسا ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ اکثر ایسے مسائل ہیں جن کی نسبت عقل کا نفیاً یا اثباتاً ہر قسم کا فیصلہ نا قابلِ لحاظ ہے کہ یہ حدُود اس کی دسترس سے باہر ہیں، اور اسی لیے ہم کو ایک پیغمبر کی ضرورت ہے، جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر کی چیزوں کو ہمارے حق میں جہاں تک مفید ونافع ہو تعلیم دے۔ اور جب یہ مقدمہ صحیح ہے تو ان مسائل کی خالص عقل کی رو سے تفسیر یا اضافہ یا اسقاط در حقیقت اپنے پہلے دعوے کا ابطال ہے۔

لیکن اس قیاس کو چھوڑ کر ہم کو قرآن وسنت سے ان اُصولوں کی صحت ثابت کرنی چاہیے۔ اس کے لیے ہم اپنے دوستوں کو اپنی پہلی اور دوسری نشست کی تقریریں یاد دِلاتے ہیں جن میں قرآن وسنت سے اس اُصول کو ثابت کیا گیا ہے۔ آج کے جلسہ میں ائمہ سلف اور قدمائے اہل السنّت کے اقوال سے دِکھانا ہے کہ ان رسمی فرقوں کے پیدا ہونے سے پہلے اہل السُنت کے کیا معنی تھے۔

امام مالک بن انس اہل السُنت کا عقیدہ بتاتے ہیں۔

الكلام فی الدين كرهه ولايزال اهل بلدنا يكرهونه وينهون عنه نحو الكلام فی رای جهم والقدر وما اشبه ذلک وما احب الكلام الا فيما تحته عمل ، فاما الكلام فی

دین اللّٰہ وفی اللّٰہ عزوجل فالسکوت احب الی لانی رایت اھل بلد نا ینھون من الکلام فی الدین الا فیما تحتہ عمل (جامع بیان العلم ابن عبدالبر)

ترجمہ: ''عقائد میں گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہوں، اور ہمیشہ ہمارے شہر (مدینہ) کے علماء اسکو ناپسند کرتے رہے ہیں اور اس سے روکتے رہے ہیں، مثلاً جہم کی رائے اور قدر میں گفتگو کرنا۔ میں بحث ومباحثہ اُن امور میں پسند کرتا ہوں جن کے تحت میں کوئی عمل ہو لیکن خدا کے عقائد اور خود خدا کی ذات میں سکوت میرے نزدیک پسندیدہ ہے، کیونکہ ہم نے اپنے شہر کے علماء کو دیکھا ہے کہ عقائد میں گفتگو کرنے سے روکتے تھے، اور ان اُمور میں گفتگو کرتے تھے جن کا عمل سے تعلق ہو۔''

امامؒ موصوف نے نہ صرف یہ اپنا اُصول بتایا، بلکہ اپنے تمام پیشرووں کا طریقہ یہی بتایا اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلف کی زندگی کی اصلی رَوش عمل تھا، تخیل نہیں۔ وہ صرف ان اُمور میں گفتگو کرتے تھے جن پر عملاً بھی ہم کو کاربند ہونا ہے۔

امام بخاریؒ خلق افعال العباد میں سلف صالحین کا مذہب لکھتے ہیں۔

وانھم کرھوا البحث والتنقیب عن الاشیاء الغامضة وتجنبرا اھل الکلام والخوض والتنازع الا فیما جاء فیه العلم اوبینه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم.

ترجمہ: ''انہوں نے ان مشکل مسائل میں بحث وگفتگو کرنا ناپسند کیا اور جولوگ ان میں گفتگو، غور اور نزاع کرتے تھے ان سے پرہیز کیا، لیکن جن مسائل میں علم (خدا کی طرف سے) آیا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کردیا ہے اس میں انہوں نے غور وفکر اور بحث کی۔''

امام ترمذیؒ ائمہ سنت کا اصول بتاتے ہیں۔

والمذھب فی ھذا عنداا ھل العلم من الائمة مثل سفیان الثوری ومالک بن انس وسفیان بن عیینه وابن المبارک ووکیع وغیرھم انھم رووا ھذ ہ الاشیاء وقالوا نروی ھذہ الاحادیث ونومن بھا ولایقال کیف ، و ھذا لذی اختارہ اھل الحدیث ان یرووا ھذا الاشیاء کما جاء ت ویؤمن بھا ولا تفسر ولایتوھم ولایقال کیف و ھذا الذی اختارہ اھل الحدیث ان یرووا ھذا الاشیاء کما جاء ت ویومن بھا ولا تفسر ولا یتوھم ولایقال کیف و ھذا امراھل العلم الذین اختاروہ ذھبو الیه

ترجمہ: ''ائمہ اہلِ علم جیسے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، سفیان بن عینیہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور وکیعؒ وغیرہ کا اس بارہ میں مذہب یہ تھا کہ انہوں نے ان چیزوں کی روایت کی اور کہا کہ ہم ان حدیثوں کی روایت کرتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ کیوں کر ہے۔ اور اسی مذہب کو اہلحدیث نے اختیار کیا ہے کہ ان باتوں کی روایت کردیں جس طرح وہ آئے ہیں اور ان پر ایمان رکھا جائے اور ان کی تفسیر نہ کی جائے اور نہ وہم کیا جائے، اہلِ علم کا یہی مذہب ہے اور اسی کو پسند کیا ہے۔''

محدث ابن عبدالبر قدمائے اہلِ سنت کا مسلک بتاتے ہیں۔

لان اللّٰہ عزوجل لا یوصف عند الجماعة اهل السنة الابما وصف به نفسه او وصفه به رسوله اواجتمعت الامة علیه ولیس کمثلهٖ شیئی فیدوک بقیاس او بامعان نظر وقدنهینا عن الفکر فی اللّٰہ واُمرنا بالتفکر فی خلقه الدال علیه (جامع بیان العلم ص ۱۵۱، مصر)

ترجمہ: ''اس لیے کہ خدائے پاک کا وصف اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک وہی ہوسکتا ہے جس کو خود خدا نے بیان کیا ہے، یا اس کے رسول ﷺ نے یا تمام اُمت نے اس پر اجماع کرلیا ہے۔ خدا کی مثل کوئی شے تو ہے نہیں پھر قیاس یا غور وفکر سے وہ کیونکر دریافت کیا جاسکتا ہے۔ ہم کو خدا کی ذات میں فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی مخلوقات ومصنوعات میں غور وفکر کا حکم دیا گیا ہے جو خدا کے وجود اور ہستی پر دال ہیں۔''

امام بیہقی علمائے سنت کا متفق علیہ اُصول بتاتے ہیں۔

فاما الاستواء فالمقدمون من اصحابنا رضی اللّٰہ عنهم کانوا لا یفسرونه ولا یتکلمون فیه کنحو مذهبهم فی امثال ذالک (کتاب الاسماء والصفات)

ترجمہ: ''اور عرش پر مستوی ہونا، تو قدمائے اہلِ سنت اس کی تفسیر نہیں کرتے تھے، اور نہ اس میں بحث کرتے تھے، جیسا کہ ان کا مذہب اس قسم کے اور مسائل میں بھی ہے۔''

دار قطنی میں نہش خراسانی کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ مکہ معظّمہ کی مسجد خیف میں ضحاک بن مزاحم، حسن بن ابی الحسن، طاؤس یمنی، مکحول شامی، عمرو بن دینار مکی رحمھم اللہ جو اپنے اپنے خطہ کے امام اور مشہور محدث اور تابعی تھے جمع ہوئے، اور قدر میں گفتگوئیں شروع ہوئیں، طاؤس جو سب میں مقبول تھے

بولے، ذرا آپ لوگ چپ رہیے تو میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ کو سناؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان اللّٰہ افترض علیکم فرائض فلا تضیعوھا ، وحدکم حدودا فلا تغیروھا ونھا کم عن اشیاء فلا تنتھکوھا ، وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تکلفوھا ، رحمۃ من ربکم فاقبلوھا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے چند باتیں فرض کی ہیں، ان کو ضائع نہ کرو اور تمہارے لیے کچھ حدود قائم کردی ہیں ان کو مت بدلو، اور چند باتوں سے منع کیا ہے ان سے باز رہو، اور بغیر بھول چوک کے بعض باتوں سے وہ خاموش رہا اُن میں زبردستی کر کے کوشش نہ کرو، خدا نے اپنی رحمت سے ایسا کیا تو اسکو قبول کرو۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس موقع پر جو تقریر کی ہے وہ سننے کے قابل ہے فرماتے ہیں: ''ان مسائل میں تاویل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابیؓ سے صحیح طریقہ سے مروی ہے، اور نہ اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ ان مسائل کو بیان نہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے حکم تھا کہ جو کچھ تم پر نازل ہو وہ لوگوں کو پہنچاؤ۔ یہ بھی خدا نے فرمادیا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ''آج اے مسلمانو! میں نے تمہارا دِین کامل کردیا۔'' اور باوجود اس کے آپ ان مسائل کا ذِکر نہ فرمائیں یہ محال ہے اور اسکی تمیز نہ ہو سکے کہ خدا کی طرف کن صفات کی نسبت ہو سکتی ہے اور کن کی نہیں ہو سکتی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو تاکید فرمادی تھی کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں، یہاں تک کہ اسی بناء پر آپؐ کی ایک ایک بات ایک ایک کام، ایک ایک حالت، اور ایک ایک واقعہ جو آپ کے سامنے ہوا، اس کو بیان کردیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اس امر پر اتفاق تھا کہ ایمان اسی طرح لانا چاہیے، جس طرح خدا چاہتا ہے۔''

حافظ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ خدا نے اپنے دِین کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی انسانوں تک پہنچادیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے جو کچھ سنا وہ اپنے بعد والوں تک پہنچادیا، یہ مسائل اگر مذہب میں داخل ہوتے تو ضرور ان کی تعلیم ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں، ''خدا اس سے بالا و برتر ہے کہ وہ

عقل یا حواس سے دریافت ہو سکے، یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح عوارض، جوہر میں ہوکر پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک کرسکیں، یا متعارف الفاظ ان کو ادا کرسکیں، با ایں ہمہ یہ بھی ضروری ہیں کہ وہ لوگوں کو بتا بھی دیئے جائیں تا کہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے، ایسی حالت میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں، مثلاً ہم خدا کے لیے ''رحمت'' ثابت کرتے ہیں اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت نہیں (جو انسانوں میں پائی جاتی ہے) اسی طریقہ سے خدا کی وسعتِ قدرت کے اظہار کے لیے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت وقوت کے لیے بولے جاتے ہیں، کیونکہ ان معانی کے ادا کرنے کے لیے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں، اور اسی طرح تشبیہاً بہت سے الفاظ بولے جائیں گے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے حقیقی معنی مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب ہیں، تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر بولے گئے ہیں۔ اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث وکاوش نہ کی جائے اور یہی مذہب اُس زمانہ کا تھا جس کی خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے۔ (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے بغیر کسی نص قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کردی۔''

شاہ صاحبؒ نے اپنے وصایا میں جو فارسی زبان میں ایک رسالہ ہے لکھتے ہیں:

اول وصیت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت دراعتقاد وعمل پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن ودر عقائد مذہب قدما اہل سنت اختیار کردن وآں راتفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن وبہ تشکیکات خام معقولیات التفات نکردن۔

ترجمہ: ''اس فقیر کی پہلی وصیت کتاب وسنت کو اعتقاد اور عمل میں مضبوط پکڑنا ہے اور اس پر عمل کرنے میں مشغول ہو جانا اور عقائد میں پرانے اہلِ سنت کے مذہب کو اختیار کرنا اور جس بات میں پہلوں نے تفصیل اور تفتیش نہ کی ہو تفتیش نہ کرنا اور معقولات کی کمزور شک والی باتوں کے پیچھے نہ پڑنا۔''

(باقی آئندہ)

﴿حقوق النفس﴾

(اپنی جان کے حقوق ادا کرنا)

ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے جو ہم کو بطورِ امانت کے دے رکھی ہے۔اس لئے اُس کے حکم کے موافق اِس کی حفاظت ہمارے ذمّہ ہے۔اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیّت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دِین کے کاموں کی ہمّت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجتمندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابرہیم علیہ السّلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا ''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے''۔(شعراء، آیت ۸۰)

ف: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''اور دشمنوں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو'' (انفال، آیت ۶۰)

ف: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس سے دِین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے، اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے۔تیر اُس زمانہ کا ہتھیار تھا اِس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

۳۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''اور مال کو بے موقع مت اُڑانا۔'' (بنی اسرائیل، آیت ۲۶)

ف: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن اُمور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا، اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

آگے حدیثیں ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف: مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دِینی نفع ہو) ایک صحت اور دوسری بےفکری۔ (بخاری)

ف: اس سے صحت اور بےفکری کا ایسی نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دِین میں مدد ملتی ہے اور بےفکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو، تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۳۔ حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان کو دِین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) ۱۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور ۲۔ صحت کو بیماری سے پہلے اور ۳۔ مالداری کو افلاس سے پہلے اور ۴۔ بےفکری کو پریشانی سے پہلے اور ۵۔ زندگی کو مرنے سے پہلے۔ (ترمذی)

ف: معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت و قوت ہوتی ہے وہ اور بےفکری کی زندگی اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

۴۔ حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اُس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لئے ساری دُنیا سمیٹ کر دے دی گئی۔ (ترمذی)

ف: اس سے صحت اور امن و عافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۵۔ حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دُنیا کو اس لئے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل و عیال کے (ادائے حقوق کے) لئے کمایا

کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند جیسا ہوگا۔ الخ (بیہقی وابونعیم)

ف: معلوم ہُوا کہ بقدرِ ضرورت کسبِ مال کی دِین بچانے کے لئے اور ادائے حقوق کے لئے بڑی فضیلت ہے۔ اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۶۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دُنیا کی بے رغبتی (جس کا کہ حکم ہے) یہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کو ضائع کرنے سے۔ الخ (ترمذی وابن ماجہ)

ف: اس میں صاف برائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

۷۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اُتاریں اور ہر بیماری کے لئے دوا بھی بنائی۔ سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں صاف حکم ہے تحصیلِ صحت کا۔

۸۔ حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں۔ سو اگر معدہ دُرست ہو تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان وبیہقی)

ف: اس میں معدہ کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

۹۔ حضرت اُمّ منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے فرمایا کہ یہ (کھجور) مت کھاؤ۔ تم کو نقاہت ہے۔ پھر میں نے چقندر اور جَو تیار کیا آپؐ نے فرمایا اے علیؓ! اس میں سے لو یہ تمہارے لئے موافق ہے۔ (احمد وترمذی وابن ماجہ)

ف: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضرِ صحت ہے۔

۱۰۔ حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، وہ بھوک بُرا ہم خواب ہے۔ الخ (ابوداؤد ونسائی وابنِ ماجہ)

ف: مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہوجاتے ہیں اور دماغ پریشان ہوجاتا ہے، اس سے صحت وقوت وجمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب

فوت ہوجاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی فضیلت آئی ہے، اس سے بھوک اور بیماری مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

۱۱۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تیر اندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ الخ (ترمذی و ابنِ ماجہ و ابوداؤد و دارمی)

ف: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

۱۲۔ اِن ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا یوں فرمایا کہ اُس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

ف: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے قوت ہونے کا بیان آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے اور دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۳۔ حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مؤمن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ الخ (مسلم)

ف: جب قوت اللہ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں اُن سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کردینا، نیند کا بہت کم کردینا، ہم بستری میں حدِ قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیزیں کھانا جس سے بیماری ہوجائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہوگیا، ان سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت ڈالنا، جس اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہوسکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہیں مگر حدِ شرع وحدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

۱۴۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک و ترمذی و ابوداؤد و نسائی)

ف: یہ اس وقت تھا کہ جب کہ اِکّے دُکّے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان

ضروری ہے۔

۱۵۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اُترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا شیطان کی طرف سے ہے (اس لئے کہ کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر نہ ہو)۔ سو اس کے بعد جس منزل پر اُترتے ایک دوسرے سے اس طرح مِل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا اچھا دیا جائے تو سب پر آجائے۔ (ابوداؤد)

ف: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

۱۶۔ حضرت ابوالسائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا، لمبی حدیث ہے۔ (مسلم)

ف: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لئے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اُونٹ پر تھے اور حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ کے شریکِ سواری تھے۔ جب حضورِ اقدس ﷺ کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ ﷺ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپؐ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اُس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

۱۸۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

ف: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

۱۹۔ حضرت ابنِ ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تنگی سے گزر

کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

ف: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

۲۰۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (تیسیر از ترمذی)

ف: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تمام وہ کام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کر دیں، خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اگر پھر بھی حسبِ مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ تمہاری مصیبت دُور ہو۔

یہ تین آیتیں ہیں اور بیس حدیثیں ہیں جن میں بجز دو اخیر کے کہ اُن کے ساتھ کتاب کا نام لکھا ہے باقی سب مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

نوٹ: (ا) ان آیات و احادیث سے صحت وقوت و جمعیت یعنی امن و عافیت و راحت کا مطلوب ہونا صاف صاف ظاہر ہے جس کی تقریر جا بجا کر دی گئی۔

(ب) جو افعال مقاصدِ مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

(ج) اگر بدون بندہ کے اختیار کے محض مِن جانبِ اللہ ایسے واقعات پیش آویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مددِ غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان پر صبر کرے اور خوش رہے۔ انبیاء علیہم السّلام و اولیاءِ کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

★★★★★

متقی وہ شخص ہے جو اپنے حق میں اللہ کے سوا کسی سے نیکی کی اُمید نہ رکھے۔ (عارفیؒ)

مجالسِ حرم

(حضرت مولانا عبدالمنان عبدالرازق)

مکہ المکرمہ

زیارت مدینہ المنورہ

جس خوش نصیب کو مسجد النبوی شریف اور مدینۃ الرّسول ﷺ کی حاضری نصیب ہو تو خوب آداب کا خیال رکھیں اور صلوٰت وسلام کی کثرت کریں، اکابرین کے ہاں نماز والا دُرودِ (اِبراھیمی) سب سے افضل ہے، اسی طرح تشھد والا اسلام (السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ) افضل ہے۔ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ (مناسک از ملا علی قاریؒ، فضائلِ حج از شیخ الحدیثؒ)۔ مواجہ شریف پہ یہ آیت ایک دفعہ پڑھنے کے بعد ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً﴾ پھر ۷۰ دفعہ ''صَلیٰ اللّٰہُ علیْکَ یَامُحَمَّد'' پڑھے تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے شخص! اللہ جل شانہٗ تجھ پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کی ہر حاجت پوری کردی جاتی ہے۔ (بیہقی، مناسک از ملا علی قاریؒ، فضائلِ حج از شیخ الحدیثؒ) روایت حضرت ابن ابی فُدیکؒ۔

اکابرین نے مدینہ منورہ کے آداب مکہ مکرمہ سے مضاعف (دوچند) لکھے ہیں، اسی طرح حضرت عمرؓ اور امام مالکؒ کے ہاں اجر بھی دوچند ہے اور واقعتاً وہاں دونوں مقصود (اللہ اور اس کے رسولؐ) موجود ہیں، مسجد نبوی شریف کے آداب کا خلاصہ اس شعر کو سمجھ لیا جائے جو کہ قریب قریب ترجمہ اس آیت کریمہ کا ہے۔ ﴿لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ......﴾ (سورت الحجرات، آیت ۲)

ہے سخت بے ادبی کا اندیشہ یہاں پہ لوسانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ہے

اسی طرح مدینہ رسول ﷺ کی ہر چیز کو انتہائی محبت و رغبت سے دیکھتے رہیں اور کسی چیز پہ کسی قسم کی ناگواری کے اِظہار سے بچتے رہیں۔

انتہائی دل بستہ گزارش ہے کہ ہمارا بھی سلام اس دربار عالی میں پہنچانے کا احسان فرماتے رہیں اور مقبول دُعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ پاک آپ سب کی حاضری اور ہماری سعی کو قبول فرمائے۔ آمین

وصلیٰ اللہ علیٰ سید الاولین و آلاخرین وآلہٖ وَاصحابہ و من تبعھم بِاحسان الیٰ یوم الدین، اٰمین برحمتک یاارحم الراحمین.

﴿ مروجہ شبینہ.....اور..... اس کا حکم ﴾

آج الحمدللہ بفضلہٖ تعالیٰ حفاظ کرام علماء عظام کی کوششوں سے اُمتِ مسلمہ کے چمن میں بہار اپنے جوبن پر ہے جوکہ شیطان اوراس کے کارندوں پر بہت زیادہ گراں اورنہایت شاق گزر رہا ہے۔ان حضرات کی محنتوں کوضائع کرنے اورآخرت میں خسارہ اُٹھانے کے لئے دن بدن نت نئی اورخوش نما صورتیں بنانے میں یہ لعین دن رات کوشاں رہتا ہے۔اس میں ایک شبینہ کی رسم ہے جورمضان کےقریب آنے سے پہلے حفاظ کرام مختلف مساجد میں ادا کرتے ہیں۔یہ ناچیز حفاظ کرام کونہایت احترام وعزت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے یہ حضرات بڑے بڑے مجاہدوں کے بعداس منزل تک پہنچتے ہیں یہ فقیرتو ان کے مقابلے میں خاک کے برابر ہے۔جن کے قلوب میں خالقِ کائنات کی کتاب حرفاً حرفاً محفوظ پڑی ہوان کے مقام تک یہ ناکارہ کہاں پہنچ سکتا ہے۔لیکن ایک حقیقت پرخلاّقِ عالم نے اگراس عاجز کومطلع فرمایا ہے،تومیرے خیال میں اس کوان حضرات کے سامنے عرض کرنا نامناسب بھی نہیں ہوگااس لئے اصلاح کی خاطران حضرات کی خدمت میں چند معروضات پیش خدمت ہیں اللہ پاک کےان پیاروں سےقوی اُمید ہے کہ اس پرتوجہ فرمائینگے۔

شبینے کا حکم:

قرآن کریم کاپڑھناپڑھانا اورسننا سنانا بڑے اجروثواب اورخیروبرکت کا کام ہے۔احادیث میں بڑے فضائل آئے ہیں مسلمانوں کو چاہئیے کہ جس قدرممکن ہواس کی تلاوت کریں،بالخصوص رمضان مبارک میں اس کے اہتمام کی اوربھی ضرورت ہے کیونکہ یہ مہینہ کسبِ حسنات کا مہینہ ہےاورقرآن کریم کے ساتھ اس کاایک خاص رَبط ہے،لیکن اُصولی طورپرہرنیک کام کےکچھ آداب اورحدُود وشرائط ہوتی ہیں۔جب تک وہ نیک کام اپنی تمام شرائط وحدُود کےاندراندرہوتوباعثِ اجراورباعثِ خیروبرکت ہوتا ہے ورنہ باعثِ گناہ۔ چنانچہ قرآن کریم کاپڑھنااورسنانا اگرجملہ آداب وشرائط کے ساتھ ہوتوبڑا مبارک اوربےحداجروثواب کا باعث ہے ورنہ باعثِ گناہ ہے۔ ....(فقہی رسائل از مفتی عبدالرؤف سکھروی)

شبینہ کی شرائط:

حفاظ کرام شعبان یا رمضان کے مہینوں میں جوشبینہ مساجد میں کرتے ہیں اس میں مندرجہ ذیل

شرائط ملحوظ ہونا ضروری ہیں۔

(۱) قاری تلاوت خالص لوجہ اللہ پڑھے، کسی قسم کے معاوضہ، اُجرت یا ریا و نمود سے اجتناب کرے (۲) قواعدِ تجوید کا خصوصی لحاظ کریں (۳) اگر نماز میں باجماعت پڑھنا ہو تو نماز تراویح کی ہونی چاہئیے (۴) تمام سامعین مکمل طور پر احترام کیساتھ توجہ سے سنیں (۵) مسجد میں دورانِ تلاوت کسی قسم کا شور وشغب یا کھانے پینے کی مجلس نہیں ہونی چاہئیے (۶) باہر کے لاؤڈ اسپیکر قطعاً استعمال نہیں ہونے چاہئیں۔ البتہ اگر مجمع زیادہ ہو تو ضرورت کے تحت اندر والے سپیکر استعمال کئے جائیں (۷) مسجد کے اندر ضرورت سے زیادہ بجلی کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہئیے (۸) قراء حضرات کے درمیان کسی قسم کے مقابلے کی صورت نہیں ہونی چاہئیے .... (از فقہی رسائل کچھ تغییر کیساتھ)

﴿..... لمحہ فکریہ .....﴾

تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی ایسی مجالس کا انعقاد کیا گیا ہے کسی میں بھی ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ قاری تلاوت کرتا ہے تو خود قاری صاحب اور سامعین سب کے سب مختلف قسم کے غیر شرعی اُمور کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں (الا ماشآء اللہ) ذیل میں ہم چند خرابیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جن سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔

قرآن کریم ترتیل سے نہیں پڑھا جاتا:

قرآن کریم ترتیل سے نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس تیز رفتاری سے پڑھا جاتا ہے کہ غنّہ، اخفاء، اظہار اور مدوں کی ادائیگی تو درکنار، حروف اپنے مخارج سے بھی ادا نہیں کئے جاتے بلکہ بیشتر حروف کاٹ کاٹ کر پڑھے جاتے ہیں اور یعلمون و تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور قواعد تجوید کے خلاف پڑھنا جائز نہیں............(فقہی رسائل)

سامعین کی لاپرواهی:

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شبینہ میں حاضرین نے چونکہ رات بھر مسجد میں گزارنی ہوتی ہے تو خوب چائے، بسکٹ، حلوہ اور دیگر کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ فقیر یہ نہیں کہتا کہ کھانا پینا شرعاً ناجائز ہے لیکن جب مجلس تلاوتِ کلام پاک جیسی عظیم عبادت کی ہو تو اس وقت ہمارے اُمور تلاوت کے تابع ہونے

چاہئیں نہ یہ کہ اصل مقصود کھانا پینا قرار دیا جائے۔ اگر ایک طرف اللہ کا کلام پڑھا جارہا ہو اور دوسری طرف کھانے پینے اور پھر اس کے بہانے گپ شپ کی مجلس سجائی گئی ہو تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تلاوتِ کلام پاک کی آواز کانوں میں آتی ہو تو ذِکر و فکر بھی ترک کرنا چاہئیے۔ علاّمہ شبیر احمد عثمانیؒ نے واذا قرء القرآن. . آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

''جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم وہدایت کی کان ہے تو اس کی قراءت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے اُدھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت شور و شغب اور ذِکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں''

.........................(تفسیر عثمانی صفحہ نمبر ۲۳۰)

لہٰذا سب حاضرین کو تلاوت نہایت آرام، سکون واطمینان کیساتھ سننا چاہئیے۔ جب ضرورت محسوس ہو تو تلاوت بند کر کے (آداب مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے) چائے پی جا سکتی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کا بلا ضرورت استعمال کرنا:

شبینہ کے مفاسد میں سے ایک اہم مفسدہ لاؤڈ اسپیکر کا بلا ضرورت استعمال کرنا ہے۔ یہ ایسی آفت ہے کہ شاید ہی کوئی شبینہ اس سے خالی ہو، ورنہ بیشتر شبینوں میں اس کا استعمال ضروری اور لازمی سمجھا جاتا ہے۔ خود بار بار مشاہدہ کیا کہ سننے والے دس بیس یا پانچ چھ بلکہ بعض جگہ جہاں تک دیکھا گیا ہے، صرف بے چارہ حافظ قاری تن تنہا جائے نماز پر کھڑا ہے اور لاؤڈ اسپیکر پورا کھلا ہوا ہے، سننے والا کوئی نہیں، اور اسپیکر کی وجہ سے پورا محلّہ گونج رہا ہے، سارے محلے والے تنگ ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے روزہ دار اور غیر روزہ دار آرام کرنے سے محروم، پھر ان میں بعض مسافر اور بیمار بھی ہوتے ہیں ان کو تکلیف ہوتی ہے اور بعض حضرات مسجد یا گھر میں نماز، ذِکر اور تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی نماز، ذِکر اور تلاوت میں خلل آتا ہے۔ اگر مسجد شارع عام اور بازار میں ہو یا کسی محلّہ میں ہو تو وہاں لوگ خرید و فروخت اور مختلف کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اور مشغول لوگوں کے پاس تلاوت کرنا باعثِ گناہ ہے، پھر اس پر آیت سجدہ بھی پڑھی جاتی ہے اور تمام سننے والوں پر اس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے، مگر دُور سے سننے والے اس کا علم نہ ہونے کی بناء پر اس واجب سے سبکدوش نہیں ہوتے اور یہ واجب ان کے ذمہ رہ جاتا ہے اور اس ترکِ واجب کا سبب یہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے والے بنتے ہیں۔ اس لئے ان تمام باتوں کی وجہ سے بلا ضرورت اس کا استعمال جائز

نہیں..........................(فقہی رسائل)

﴿اگر شبینہ نماز تراویح میں ہو﴾

اگر شبینہ تراویح میں جماعت کی صورت میں ہو رہا ہو تو اس کیلئے مزید دو شرائط کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

(۱) امام بالغ مرد ہو:

مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ نا بالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا، نہ فرائض و واجبات میں اور نہ سنن و نوافل میں لہٰذا نا بالغ کی اقتداء کرنا بالغوں کیلئے جائز نہیں۔ ....ہدایہ (فقہی رسائل)

ہمارے شبینہ والے حضرات یہ عذر (یا دلیل) پیش کرتے ہیں کہ شبینہ سے ہمارا مقصد محض منزل پکی کرنا اور ساتھ ساتھ حافظ کو جماعت کی عادت دِلانا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ عذر اور خود ساختہ دلیل دِین اسلام کی کسی بھی فقہی کتاب سے منقول نہیں ہے جس سے ایک نا اہل شخص اہل بن جائے یا ایک نا جائز کام جائز بن جائے۔ اسی طرح عذریں اگر ہم نکالنا شروع کر دیں تو پتہ نہیں آٹھ، دس سال بعد اس دِین کا کیا حشر ہوگا۔

(۲) مقتدیوں کی نیت امام کیساتھ متصل ہو:

اگر جماعت کھڑی ہے، تو تمام حاضرین کو جماعت کیساتھ شریک ہونا چاہئیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہوتی ہے اور لوگ پیچھے گھوم پھر کر اپنے دل کی چاہت پوری کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں برائے نام شبینہ کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ اگر مقتدیوں پر پوری پوری رکعت میں کھڑا ہونا دُشوار ہو تو شریعت بیضاء نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت تو دی ہے لیکن یہ تو کہیں نہیں منقول کہ محض تھکاوٹ کا بہانہ بنا کر باتوں میں مشغول ہوں۔ رکوع میں شامل ہو کر رکعتوں کی تعداد تو پوری ہو جائیگی لیکن جس مقصد کیلئے شبینہ کا انعقاد کیا گیا تھا وہ تو حاصل نہیں ہوا۔

جس شبینہ میں شرائط کا لحاظ نہ ہو:

اگر مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا حکم پہلے گزر چکا کہ ایک ثواب کا کام ہے اور موجب خیر و برکت ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر شبینہ میں ضروری شرائط کو نظر انداز کر کے بے ادبی اور لاپروائی کا ارتکاب کیا جائے تو اس صورت میں شبینہ نا جائز ہوگا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتی ہیں اور تقریباً لازم ہیں، مکروہ ہیں اگر

پڑھنے والا اور سننے والا سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا۔" .... (کفایت المفتی ج ۲،ص ۴۲)

﴿ شبینہ میں التزام نہ ہو ﴾

قارئین حضرات! مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جبکہ شبینہ کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔اس کے برعکس اگر کہیں پر ایسا محسوس ہو رہا ہو کہ عام مسلمان یا حفاظ کرام شعبان یا رمضان میں اس عمل کی علیحدہ شرعی حیثیت کے معتقد ہوں اس طور کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جائے اور نہ کرنے والوں پر نکیر یا طعن کیا جائے ،تو اس صورت میں بلا کسی تشریح و تفصیل کے، یہ عمل ایک بدعت کی شکل اختیار کر لے گا کیونکہ اس صورت میں یہ عمل اسلاف سے منقول نہیں ہے،اور بدعت بالاجماع حرام ہے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک سوال کے جواب میں ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے: " جو فعل غیر ضروری خواص کا،سبب ہو جائے مفسدہ عوام کا،اس سے منع کیا جانا قاعدہ فقہیہ ہے" ....(امداد الفتاویٰ ج:۵،ص ۳۱۶)

مطلب یہ ہے کہ دِیندار اور خواص لوگ اگر ایسا عمل کر رہے ہوں جو شرعاً ان پر لازم نہ ہو لیکن دوسری طرف وہ عوام الناس کیلئے ایک اعتقادی خرابی کا سبب بن رہا ہو تو اس عمل کا چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

﴿ احقر شوکت علی قاسمی ،۱۵شعبان ۱۴۲۶ھ ﴾

★★★★★

(**روزہ**: بقیہ صفحہ:۶ سے آگے)

نہ کھانے کا حکم ہو ہم رُک جائیں۔ روزہ میں معیار تقویٰ کو بڑھا دیا جاتا ہے۔تقویٰ عمومی طور پر مشتبہات کو چھوڑنے کا نام ہے لیکن روزہ میں متقی وہ ہے جو حلال کو جتنی دیر چھوڑنے کا حکم ہے اُتنی دیر کے لئے چھوڑ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے شریعت میں مجاہدات گھڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ امرِ ربّ کو دیکھ کر چلنے کا نام دِین ہے۔ روزہ حصول تقویٰ کا آسان ذریعہ ہے اور جو متقی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی معیت اور محبوبیت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ O (التوبہ:۴)

ترجمہ: "واقعی اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"

شاہ صاحبؒ اپنے رسالہ تاویل الاحادیث میں فرماتے ہیں: (بقیہ اہلِ سُنت والجماعت، قسط:۶)

ثم نشاء ناس ممن یسمون انفسھم اھل السنة والسنة منھم بمراحل ، فتکلفو سالا یغبھم ، ولم یات به بیھم فیا لھم من مصبیة عمت فاعمت والله المستعان

ترجمہ: ''اس کے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جو اپنے کو اہلِ سنت کہتے ہیں حالانکہ سنت اُن سے بمراحل دُور ہے، تو انھوں نے اس میں تکلیف سے بات کہی جس کی ضرورت نہ تھی، اور نہ جس کو ان کے رسول ﷺ لیکر آئے تھے، تو ہائے مصیبت جو لوگوں میں پھیل گئی اور اس نے اندھا بنا دیا۔''

پھر رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

ولایذھب علیک ان الطریق المستقم فی ھذلاالمسئلة وما یشبھھا من التشبیھا کالید والرجل ومن المعادیات وغیرھا ان یمرھا الانسان علی ظواھر ھا، ولایشتغل بکیفیة وجود ھا، ویعیقد فی الجمله ان ما اراد الله ورسوله حق ولا یقول ھذا ولم یرد ھذا، ونحوذلک، ولذلک تری النبی صلی الله علیه وسلم ولا اصحابه ولاالتابعین لھم باحسان یشتغلون بشیء من ذالک وانما جاء الاشتغال به من المعتزله حین استرقوا من الفلاسفته واسترق اھل السنة من المعتزلة فدخل فیھم ایضاً

ترجمہ: ''تم سے یہ مخفی نہ رہے کہ اس مسئلہ میں اس قبیل کے تشبیہات کے دوسرے مسئلوں میں جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ اور پاؤں کا استعمال، اور قیامت ومعاد وغیرہ کے مسئلوں میں صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان کو ان کے ظاہر مطلب پر رکھے اور ان کے وجود کی کیفیت سے بحث نہ کرے، اور مجملاً یہ عقیدہ رکھے کہ ان سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی جو مراد ہے وہ حق ہے اور یوں نہ کہے کہ یہ مراد ہے اور یہ مراد نہیں ہے۔ اور نہ اس قسم کی باتیں کریں، ہم دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے ان میں سے کسی چیز سے بحث نہیں فرمائی۔ یہ بحث ومباحثہ اوّل معتزلہ نے شروع کیا، جب انہوں نے فلسفیوں سے ان باتوں کو چرایا اور اہلِ سنت نے انکو معتزلہ سے چرایا، تو یہ چیز ان کے اندر بھی داخل ہوگئی۔''